اسلام اور تعلیم نسواں

محمد خلیل اللہ

اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوسکتا ہے کہ دین اسلام تعلیم نسواں کا مخالف ہے۔ کفار کے تسلط اور بے دینی کے سیلاب میں جس طرح بہت سی باتیں گڈ مڈ ہوگئیں وہیں دینی اقدار کی بھی من مانی تشریح کی جارہی ہے۔ بنیادی طور پر ہمارا معاشرہ جن فکری تضادات کا شکار ہے اس کی جڑ میں افراط وتفریط کے عوامل کارفرما ہیں۔ بعض لوگ دین اسلام کو اپنے مخصوص دائرہ فہم اور اپنی جغرافیائی حدود کے اندر رکھ کر اس سے آگے نکلنے کو سرحد اسلام سے تجاوز سمجھتے ہیں۔ عموماً اس قسم کے لوگوں میں تحزب پسند، روایت پسند، تحقیق واعتدال سے عاری تحریکیں اور افراد شامل ہیں۔ یہ لوگ تعلیم نسواں کے حق میں بھی نہیں ہوتے اور بعض لوگ وہ ہیں جو مذکورہ نقطہ نظر کے حاملین کے مخالفت میں زچ ہوکر افراط کی راہ اختیار کرتے ہوئے لادینی طرز تعلیم کے جواز کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ لوگ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ کفریہ طاقتوں کی بود وباش، طرز زندگی اور افکار ونظریات سے ذہنی طور پر شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ قرآن کے منہج حیات سے متاثر ہوکر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کیوں نہ اسلام کے ڈھانچہ کو اٹھا کر ان کی پسند کے مطابق ڈھال دیا جائے، خدا بھی ناراض نہ ہوں، اور وہ بھی راضی رہیں! ان لوگوں میں عصر حاضر کے متجددین اور دوسرے مذہب بیزار ماڈرن تحریکیں اور افراد شامل ہیں۔

اسی افراط وتفریط کا نتیجہ ہے کہ تعلیم نسواں جیسا عام اور سادہ مسئلہ بھی گنجلک اور پیچیدہ ہوکر رہ گیا ہے۔ پہلا طبقہ سرے سے خواتین کی ہر قسم کی تعلیم کا مخالف ہے۔ وہ عورت کو صرف گھر کی چار دیواری میں محدود ومحبوس رکھ کر صرف اپنے مقاصد اور خدمت کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے، خواہ گھر کی ملکہ دینی تعلیمات کے ابجد سے بھی واقف نہ ہو، اور خواہ وہ معاشرتی ضرورت کی حد تک معلومات عامہ سے بھی انجان ہو۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس ماحول کے بچے عموماً دین ودنیا کے آداب سے واقف نہیں ہوتے اور معاشرے کا صحیح فرد نہیں بن پاتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ضد

میں آکر اور معروضی حالات سے متاثر ہو کر بعض لوگ خواتین کے لئے اسکول اور کالج جانا سائنس اور پانی کا مسئلہ بنادیتے ہیں۔ ماڈرن دنیا کے تقاضوں کو سامنے رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں، خواہ اس کے لئے دینی تقاضوں کی قربانی دینی پڑ جائے۔!

درحقیقت یہ دونوں نظریئے اسی مخصوص غیر معتدلانہ سوچ پر قائم ہیں جو ان کی رگ وخون میں دوڑ رہی ہے۔ دین اسلام ایک معتدل اور متوسط دین ہے۔ اس کے اندر ایسی لچک ہے کہ اس کے برگ وبار کو کبھی خزاں نہیں اور ایسی صلابت اور مضبوطی ہے کہ لوہا اس کے آگے پگھل جائے، لہٰذا پہلے طبقہ کی بناء پر اسلام کی لچک کو کوئی گھن لگنے کا امکان ہے اور نہ ہی دوسرے طبقہ کی بے وجہ ناراضگی اور شکوہ پر دین اسلام کی صلابت کو کوئی زنگ لگ سکتا ہے۔

دین اسلام تعلیم نسواں کی نہ صرف یہ کہ ترغیب دیتا ہے، بلکہ اس کا علم بردار بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیات مبارکہ میں جہاں مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں عورتوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ قرآن کا تقاضا ہے کہ اس کا خطاب سمجھنے کے لئے علم اور اہلیت ہو۔ ورنہ پھر مخاطب بنانے کے کیا معنیٰ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے زیادہ علم وآگہی کا زعم کس کو ہو سکتا ہے جن کی علمی روایات سے گلشن حدیث مہک رہا ہے۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرویات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کئی مسائل میں فیصلہ کے لئے حضرات صحابہ کرام حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور آپ کا قول قولِ فیصل ہوتا تھا! گویا حضرت عائشہؓ عالمہ بھی تھیں اور معلّمہ بھی اور تاریخ اسلام ایسی نامور خواتین کی داستانوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے علم کے میدان میں اپنی علمی قابلیت کا لوہا منوایا اور اس میدان میں وہ مردوں کو بھی شکست اور مات دے گئیں۔

فقہ کے میدان میں علامہ کاسانی رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو، جن کی ''بدائع الصنائع'' نامی شہرہ آفاق کتاب فقہ حنفی کی بے نظیر کتاب ہے۔ اس کتاب کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ مصنف مذکور نے اپنی کتاب ''البدائع'' اپنے استاد اور شیخ کی کتاب ''التحفہ'' کی شرح کے طور پر تصنیف کی۔ جب یہ ان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے شرح دیکھ کر خوشی اور انعام کے طور پر اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا اور یہ فاطمہ کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ فقیہہ تھی۔ یعنی دینی مسائل اور احکام کی گہرائیوں سے واقف تھی اور جب ان کے والد بزرگوار علاؤالدین سمرقندی کے پاس کوئی استفتاء آتا تھا تو اس کے جواب اور فتویٰ میں جہاں ان کے والد (جو خود فقیہہ ملت تھے) اور ان کے شوہر علامہ کاسانیؒ کے دستخط ہوتے تھے وہاں فاطمہ فقیہہ ملت کے دستخط بھی ثبت ہوتے تھے۔!

شریعت اسلامیہ میں ہر چیز کی طرح تعلیم نسواں کے لئے بھی اصول وضوابط ہیں۔ اسلام ان کی رعایت کی تاکید کرتا ہے جس میں حجاب، شرم وحیا جیسے امور سرفہرست ہیں، قدیم طرزِ تعلیم نسواں میں محلّہ کی ایک تعلیم یافتہ خاتون آس پاس کی بچیوں کو جہاں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتی تھی وہاں تربیت اور امورِ خانہ داری جیسے اہم کام بھی سکھاتی تھی۔

اس طریقے سے ایک بہترین گھریلو خاتون تیار ہو جاتی تھی جو اپنا منصب وفریضہ اچھی طرح پہچان لیتی تھی اور امورِ خانہ داری بھی بہتر طریقے سے نبھا لیتی تھی۔ لیکن آج کل تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا بے حد فقدان ہے جو کہ ایک لازمی عنصر ہے۔ اس کے بغیر کائنات کی زینت میں حسنِ کامل کے شگوفے نہیں پھوٹ سکتے۔ جس طرح عورت کو علم کی روشنی سے دور رکھ کر تاریکیوں میں دھکیل کر چوپائے کی مانند اس سے کام لینا غلط ہے، بالکل اسی طرح عورت کو شمعِ انجمن بنا کر ڈگریوں کے لئے رسوا کرنا اور آزادی کے نام سے اسے اخلاقی گراوٹ میں مبتلا کرنا اس کی فطرت کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسلام بہرحال دونوں زاویہ خیال کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور یہ دونوں طریقے اسلام سے متصادم اور دین کو صحیح نہ سمجھنے کی بنا پر پیدا ہوئے ہیں۔

ماڈرن دنیا کے اعصاب پر تعلیم نسواں کا جو خبط سوار ہے، انہیں جس سمت دھکیل رہا ہے اس عواقب کو دیکھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر وہ یہ امید رکھیں کہ اسلام تعلیم نسواں کے لئے وہی نظریہ اور آئیڈیا دے تو شاید یہ ممکن نہ ہو۔ جدید دور کے تقاضے میں اگر یہ بات شامل ہے کہ خواتین کو اسی ماحول کے ہم آہنگ کوئی بعینہٖ متبادل اسلامی ماحول مل جائے اور تعلیم کے وہی اصول ہوں جو انکل سام کے بھگوڑوں کے تعلیمی اداروں کی نہروں سے فیضیاب اور ان کے پھلوں کا رس چوس چکا ہو تو یہ بات کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں کے تعلیمی اصول سیکولرازم (مذہب بیزاری) کے اصول پر مبنی ہیں۔ جبکہ اسلام کے نظامِ تعلیم کی اساس اور بنیادی مذہبی اصولوں کی پاسداری کے ساتھ دین و دنیا کی تعلیم ہے۔

قدیم نظامِ تعلیم میں مردانہ اور زنانہ کی تعلیم میں جہاں دائرہ شریعت کی پاسداری ایک لازمی جز کا درجہ رکھتی تھی وہاں ضرورت اور قابلیت کا معیار بھی بطورِ خاص مدِنظر ہوتا تھا۔ جس کی بنا پر معاشرہ میں شرح خواندگی صرف کماً زیادہ نہیں تھی بلکہ ضرورت اور قابلیت کے رہنما اصولوں کی پابندی کے بل بوتے پر کیفاً بھی تعلیمی گراف بلند رہتا تھا۔ معاشرتی ضرورت بھی پوری ہو جاتی تھی اور ہر شعبہ کو قابل اور ماہر رجالِ کار مہیا ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صدی قبل سے رواں صدی کی تعلیمی کیفیت کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ روایتی انداز میں تعلیم یافتہ خاتون کا تعلیمی معیار اگر میٹرک کے مساوی ہوتا تھا تو وہ آج کل کے گریجویٹ سے کہیں زیادہ بلند ہوتا تھا اور باقی صفات مثلاً شرم وحیاء، غیرت وحمیت اور تربیت کا اعلیٰ معیار اس کے علاوہ ہیں۔

اس کے مقابلے میں آج کل تعلیم بالخصوص پاکستان میں اس کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ دین واسلام، غیرت وحیا اور تربیت کا فقدان تو اپنی جگہ، یہاں تو تعلیم کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ اندھیر نگری کی مانند قوم کی بیٹیاں ایک غیر معلوم منزل کی طرف بڑھ رہی ہیں، نہ تو تعلیم کی ضرورت کو مدِنظر رکھا جا رہا ہے اور نہ قابلیت کو۔ گھر کی مالکہ کو گھریلو زندگی سے متعلق اشیا کی تعلیم اور اس میں مہارت کی ضرورت ہے لیکن یہاں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے

شوق نے صنف نازک کو پٹڑی سے اتار دیا ہے۔ اور ہر ایک کو ڈاکٹر بننے کا شوق خواہ قابلیت ہو یا نہ ہو مگر ایک چیز ضرور ہو، سفارش، رشوت......!

جب نظام تعلیم سے دین وشریعت کا عنصر نکالا گیا تو اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی مذہبی اور اخلاقی پستی کا کیا عالم ہو چکا ہے! جن ماؤں کی کوکھ سے جنم لینے والے بچے فاتح اور غالب بن کر نکلنے کا عزم رکھتے تھے آج وہ بانجھ ہو چکی ہیں وہ بچے اب پیدائشی طور پر ذہنا مفتوح ومغلوب بن کر دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں۔ جن ماؤں کی گود میں پلنے والے بچے کبھی محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی کی صورت میں نظر آتے تھے آج ان ماؤں کی لوریوں میں شجاعت وبسالت کے نغمات کے بجائے انگریزی پویمز کے سر اپنا اثر دکھا رہے ہیں اور جب پھر ساتھ ساتھ ضرورت اور قابلیت کا معیار بھی کھرچ کر صاف کر دیا گیا تو معاشرہ میں غیر ضروری افراد بوجھ بن گئے اور ضرورت مند شعبوں کو صحیح رجال کار کی فراہمی معطل ہو کر رہ گئی۔

آج اگر یہ بات کہہ کر اہل اسلام کو مطعون کیا جا رہا ہے کہ اسلام اور شریعت کے دائرہ میں رہ کر تعلیم نسواں کا خواب پورا نہیں ہو سکتا تو اس پر جز بز ہونے کے بجائے دوٹوک الفاظ میں کہا جائے کہ جی ہاں! اسلام ایک دین خالص ہے جس میں بے راہ روی کی پیوند کاری سعی لاحاصل ہے۔ البتہ اسلام کے پاس اپنا ایک مربوط نظام تعلیم موجود ہے اور وہ ہر لحاظ سے جامع ہے۔ اگر اس دائرہ میں تعلیم نسواں کا نظم ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ خواتین دین ودنیا کے علم سے خداوند قدوس کی رضا کے عین مطابق بہرہ آور ہوں اور ماڈرن طریقہ سے کئی زیادہ بہتر نتائج برآمد ہوں......!

جی ہاں! تاریخ اسلام کا عروج کا دور اس کی جامعیت کا برہان وعکاس ہے۔ اگر کوئی عمل کرے تو تاریخ دوبارہ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے اور عمل نہ کرنے والوں کے پاس ہزار بہانے ہیں۔ ہمیں اب اپنا نظام تعلیم از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ جس میں دین حنیف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت اور قابلیت کے معیار کو لازماً مدنظر رکھنا ہوگا۔ نہ تو ہمیں قوم کی بیٹیوں کو علم کی روشنی سے دور رکھنا ہوگا اور نہ ہی علم کے نام پر دین ومذہب سے دستبرداری اختیار کرنا ہوگی۔ لہٰذا اگر تعلیم کے نام پر اسکول وکالج کو بازار حسن بنا دیا جائے، مرد وزن کے اختلاط کو گوارا کر لیا جائے، بے حیائی، فحاشی وعریانی کے اسباب سے چشم پوشی کی جائے، اخلاق واقدار کی بیخ کنی کی جائے اور پھر ساتھ ساتھ اس ملغوبہ پر اسلامیت کا لیبل چسپاں کرنے کی خواہش یا کوشش ہو تو یہ مذہب اور دین کو کھلونا بنا دینے والی بات ہے۔ اگر کوئی صرف اس بنا پر یہ کہتا ہے کہ اسلام تعلیم نسواں کا مخالف ہے تو اس سے بڑا جھوٹ اور بہتان کیا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ عقل کو گالی دینے کے مترادف نہیں......؟؟؟

☆☆☆